اشیاے ضرورت کی قیمتوں اور اجرتوں کے تعین میں طلب ورسد کا کردار اور حکومتی مداخلت کی شرعی حدود

منظور احمد ۞

موجودہ دور میں جہاں انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں میں حکومت کی طرف سے مداخلت پائی جاتی ہے وہاں مختلف اشیاے ضرورت کی قیمتوں اور مختلف اجرتوں میں بھی حکومت کی طرف سے دخل اندازی کی جاتی ہے اور اس کی طرف سے قیمتیں اور اجرتیں مقرر کی جاتی ہیں اور لوگوں کو اس کا پابند بنایا جاتا ہے کہ وہ حکومت کی مقرر کردہ قیمتوں اور اجرتوں کے مطابق معاملات کریں، اس کی خلاف ورزی کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاتی ہے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو باقاعدہ سزا دی جاتی ہے۔ اس تحریر میں اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ آیا شریعت کی طرف سے حکومت کو لوگوں کے مالی معاملات میں اس طرح کی مداخلت کی اجازت اور اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مختلف اشیا کی قیمتیں اور نرخ اور مختلف اجرتوں کے بھاؤ مقرر کرے اور لوگوں کو اس بات کا پابند بنائے کہ وہ حکومت کے مقرر کردہ ریٹ سے زیادہ پر اپنی اشیا نہ بیچیں اور نہ ہی حکومت کی مقرر کردہ اجرتوں کی خلاف ورزی کریں۔ اس سلسلے میں قرآن وسنت کی روشنی میں فقہا اور اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ اہل علم حکومت کو اس کا اختیار دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف کچھ اہل علم کی رائے میں قیمتوں اور اجرتوں کے تعین کا معاملہ حکومت کی صواب دید پر چھوڑنے کے بجائے طلب ورسد کے فطری قانون پر چھوڑ دینا چاہیے، کیوں کہ اس سے خود بخود متوازن قیمتیں اور اجرتیں وجود میں آجاتی ہیں۔ قیمتوں اور اجرتوں کے تعین کو عربی میں تسعیر کہا جاتا ہے۔ ذیل میں تسعیر کا مفہوم اور اقسام بیان کرنے کے بعد دونوں آرا اور ان کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے گا۔

۞ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ علوم اسلامی، وفاقی اردو یونی ورسٹی، کراچی۔
(manzoorahmad1973@yahoo.com)

تسعیر کی لغوی تعریف

لغت میں تسعیر باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا معنٰی ہے بھاؤ مقرر کرنا، چناں چہ کہا جاتا ہے "سَعَّرْتُ الشَّيْءَ تَسْعِيرًا" (میں نے فلاں چیز کا انتہائی بھاؤ مقرر کیا)، اور کہا جاتا ہے: "سَعَّرُوا تَسْعِيرًا" (لوگ ایک بھاؤ پر متفق ہوگئے)۔[۱]

تسعیر کی اصطلاحی تعریف

حکومت کا بازار والوں کو کسی مصلحت کی خاطر یہ حکم دینا اور اس کا پابند بنانا کہ وہ اپنا سامان ایک متعین ریٹ پر ہی بیچیں اس سے زیادہ پر نہ بیچیں۔[۲]

تسعیر کی اقسام

تسعیر کی کئی اقسام ہیں:

۱- تسعیر القیم

اشیا کی قیمتیں اور نرخ متعین کرنا اور لوگوں کو ان قیمتوں پر فروخت کرنے کا پابند بنانا۔

۲- تسعیر الأجور

مکانوں، سواریوں اور دیگر اشیا کی اجرتوں اور کرایوں کا تعین کرنا اور لوگوں کو اس بات کا پابند بنانا کہ وہ حکومت کی طرف سے متعین کردہ کرایوں سے زائد وصول نہ کریں۔

۳- تسعیر الأعمال

علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ اگر کسی پیشے کے ماہرین کی ضرورت ہو جیسے کاشت کار وغیرہ اور وہ کام پر راضی نہ ہوں اور لوگوں کا حرج ہو رہا ہو تو انھیں مجبور کیا جائے گا کہ وہ کام کریں اور ان کو ان کے کام کی اجرتِ مثل دی جائے گی۔

۱- محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی، **لسان العرب**، مادة: سعر (بیروت: دار صادر، ۱۹۹۶ء) ۴:۳۶۵۔

۲- محمد بن علی الشوکانی، **نیل الاوطار من أسرار منتقی الأخبار**، باب النهی عن التسعیر (مصر: دار الحدیث، ۱۹۹۳ء) ۸: ۳۷۰۔

۴- تسعير الأموال

علامہ ابن قیم نے کہا کیا ہے اگر لوگوں کو جہاد کے لیے اسلحہ اور دیگر سامان کی ضرورت ہو اور اسلحہ و دیگر سامان نہ ملتا ہو تو اسلحہ و سامان والوں پر لازم ہو گا کہ وہ اسلحہ اور دیگر سامان مارکیٹ ریٹ پر فروخت کریں، نہ وہ اسے بیچنے سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ ہی قیمتِ مثل سے زیادہ پر فروخت کر سکتے ہیں۔ [۳]

۵- تسعير الطعام

حکومت کی طرف سے غلے کی قیمت مقرر کرنا اور لوگوں کو اس قیمت سے زائد پر بیچنے کی اجازت نہ دینا تسعیر الطعام کہلاتا ہے۔

تسعیر کے بارے میں اہل علم کی آرا

تسعیر کے بارے میں اہل علم کی تین آرا ہیں: ایک یہ کہ حکومت کو شرعاً اس بات کا اختیار حاصل نہیں کہ وہ لوگوں کے ان معاملات میں مداخلت کرے، ان کی رائے یہ ہے کہ قیمتوں اور اجرتوں کے تعین کا معاملہ طلب و رسد کے فطری قانون پر چھوڑ دینا چاہیے، کیوں کہ اس سے خود بخود متوازن قیمتیں اور اجرتیں وجود میں آجاتی ہیں، جب کہ دوسری رائے یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے حکومت کو اس بات کا مکمل اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قیمتوں اور اجرتوں کے بھاؤ مقرر کر سکتی ہے، اور تیسری رائے یہ ہے کہ عام حالات میں تو حکومت کو اس کا اختیار نہیں، البتہ مخصوص حالات میں شریعت نے حکومت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اشیائے ضرورت اور اجرتوں کے بھاؤ مقرر کر کے لوگوں کو اس بات کا پابند کرے وہ اس کے مقرر کردہ بھاؤ کے مطابق آپس میں معاملات طے کریں، خلاف ورزی کی صورت میں انھیں مجبور بھی کر سکتی ہے اور اس پر سزا بھی دے سکتی ہے۔

پہلے نقطۂ نظر کے دلائل

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ حکومت کو اس بات کا شرعاً اختیار نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنی مقرر اور متعین کردہ قیمتوں اور اجرتوں کا پابند بنائے، انھوں نے متعدد امور سے استدلال کیا ہے، جن میں سے چند اہم دلائل ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

۳- محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، **الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية**، فصل في الطرق التي يحكم بها الحاكم، (مصر: مطبعة المدني، القاهرة، س ن)، ۱۸۷۔

۱- شریعت کی طرف سے لوگوں کو ان کی جائز املاک کی خرید وفروخت اور ان پر تصرف میں مکمل آزادی دی ہے اور دوسروں کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ مالک کو اپنی ملک پر اس کی مرضی کے بغیر کسی تصرف پر مجبور کریں، لہٰذا کسی کے لیے دوسرے کی رضامندی اور خوش دلی کے بغیر اس کے مال پر تسلط اور قبضہ کرنا یا اسے اس کی مرضی کے بغیر کسی طریقے سے تصرف پر مجبور کرنا شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ اگر ایسے کیا جائے تو یہ جبری بیع کی ایک صورت ہوگی اور قرآن وسنت میں اس سے منع کیا گیا ہے، اس سلسلے میں قرآن وسنت کے ارشادات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- قرآن کریم میں فرمایا گیا ﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾[۴] (اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل اور ناحق طریقے سے مت کھاؤ الّا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)۔[۵] یہ آیت جہاں دوسرے کے مال کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط عائد کرتی ہے کہ وہ تجارت یعنی بیع کے ذریعے ہو، وہاں یہ شرط بھی لگاتی ہے کہ بیع فریقین کی رضامندی سے ہوئی ہو کسی فریق کو اس پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔

۲- حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ"[۶] (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا جس میں کسی شخص کو بیع پر مجبور کیا گیا ہو)۔

۳- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ"[۷] (بیع تو باہمی رضامندی ہی سے ہوتی ہے)۔

۴- القرآن ۴: ۲۹۔

۵- محمد تقی عثمانی، **آسان ترجمہ قرآن** (کراچی، مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۰ء)، ۱۹۵۔

۶- ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، **سنن أبي داؤد**، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، (بیروت: تبة العصرية)، ۳: ۲۲۵، رقم ۳۳۸۲۔

۷- محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، **سنن ابن ماجة مع تعليق محمد فواد عبد الباقي**: كتاب التجارات، باب بيع الخيار (بیروت: دار الجیل، ۱۴۱۸ھ)، ۲: ۷۳۷، رقم ۲۱۸۵۔

۴۔ حضرت عمر بن الیثربی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ''أَلَا وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ شَيْءٌ، إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ''[۸] (خبردار! کسی کے لیے اپنے بھائی کے مال میں سے اس کی خوش دلی کے بغیر کچھ بھی حلال نہیں ہے)

۵۔ جبری بیع کے ناجائز ہونے کے سلسلے میں وہ واقعہ بطور خاص قابل ذکر ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے درمیان مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں اختلاف رائے پیش آیا، واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا گھر بیچ میں آ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مسجد میں داخل کرنے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو معاوضہ دینا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا، دونوں میں اختلاف ہوا تو انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کیا، تو دوسری طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کہ یہ زمین مجھے آپ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دونوں کی بات سننے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مقام صخرہ پر اپنا گھر بنانے کا حکم دیا، لیکن وہاں بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کا گھر تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اس لڑکے کے سامنے اس کا اظہار کیا تو اس نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری رضامندی کے بغیر میرا گھر لینے کا حکم دیا ہے؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی حضرت داؤد علیہ السلام کو بتایا گیا کہ تمھارے ہاتھ میں زمین کے خزانے میں نے رکھے ہیں لہٰذا اسے راضی کرو، حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے فرمایا تمھیں راضی کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس زمین کے بدلے میں تمھیں ایک قنطار سونا پیش کرتا ہوں اس پر وہ راضی نہ ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تین قنطار کی پیش کش کی، اس پر بھی وہ راضی نہ ہوا اور اپنے مطالبے میں سختی کرتا گیا یہاں تک کہ نو قنطار پر راضی ہوا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ واقعہ سنا چکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ نے میرے حق میں فیصلہ نہیں کر دیا؟ انھوں نے فرمایا بے شک! حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: اب میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا وہ مکان کسی معاوضے کے بغیر فی سبیل اللہ مسجد کو دے دیا۔[۹]

۸۔ احمد بن حنبل الشیبانی، **المسند** (بیروت، مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء)، ۳۴: ۵۶۰، رقم ۲۱۰۸۲۔

۹۔ احمد بن الحسین البیہقی، **السنن الكبرىٰ**: کتاب الوقف، باب اتخاذ المسجد والسقايات وغيرها، (بيروت: دار الكتب العلمية، ۲۰۰۳ء)، ۶: ۲۷۷، رقم ۱۱۹۳۷۔

طبقات ابن سعد میں اس واقعہ میں یہ اضافہ بھی ہے کہ شروع میں حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام نے جب اس نوجوان کو زمین بیچنے کی ترغیب دی تو اس نے انکار کیا، اس پر انھوں نے اس سے زبردستی لینے کا ارادہ فرمایا تو وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد میں نے تمھیں اپنا گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا جس میں میرا ذکر کیا جائے؛ کیا تم اس میں غصب داخل کرنا چاہتے ہو، حالاں کہ غصب میری شان نہیں۔ تمھاری سزا یہ ہے کہ تم اب یہ گھر نہیں بناؤ گے۔ حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کیا: پھر میری اولاد میں سے کسی کو توفیق دے دی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! تمہاری اولاد بنائے گی، چناں چہ بعد میں حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے بیت المقدس تعمیر کیا۔

ابن سعد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا: میں نے یہ واقعہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا تھا۔ ان سے یہ واقعہ سن کر حضرت ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اور مزید دو صحابہ نے بھی ان کی تائید کی اور فرمایا ہم نے بھی یہ واقعہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا تھا۔[۱۰]

قرآن وسنت کے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ شرعاً وہی بیع معتبر ہے جو فریقین کی باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو، کسی شخص کو اس کی مرضی کے بغیر بیع پر مجبور کرنا جائز نہیں، ایسی بیع شرعاً معتبر نہیں ہوتی اور اسلام کا حکم یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کی مرضی کے بغیر بیع پر مجبور کرنا نہ کسی فرد کے لیے جائز ہے اور نہ ہی حکومت کے لیے۔

جہاں یہ بات بیع المضطر کا حصہ ہے کہ کسی کو اپنی چیز کے بیچنے پر مجبور کیا جائے، وہاں یہ بھی بیع المضطر میں ہی داخل ہے کہ مالک کو اس کی مرضی کے بغیر کسی ریٹ پر بیچنے کا پابند کیا جائے۔ تسعیر میں بھی چوں کہ ایک فریق کو ایسے ریٹ پر بیچنے کا پابند کیا جاتا ہے، جس پر وہ راضی نہیں ہوتا، بلکہ اس ریٹ پر بیچنے پر مجبور ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ طلب اور رسد ایک قدرتی قانون ہے، رسد سے مراد سامانِ تجارت کی مجموعی مقدار ہے جو بازار میں فروخت کے لیے لائی گئی ہو اور طلب سے مراد بازار سے اس سامان کے خریداروں کی خواہش کا نام ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ سامان بازار سے قیمتاً خریدتے ہیں۔ طلب اور رسد کا قدرتی قانون ہے کہ بازار میں جس چیز کی طلب رسد

۱۰۔ محمد بن سعد البغدادی، **الطبقات الکبریٰ**، ترجمة العباس بن عبد المطلب (بیروت: دار صادر، ۱۹۶۸ء)، ۴: ۲۱-۲۲۔

کے مقابلے میں بڑھ جائے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور جس کی رسد طلب کے مقابلے میں زیادہ ہو اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ اس قدرتی قانون کو قانون طلب ورسد (Law of Demand & Supply) کہا جاتا ہے۔

شریعت نے متوازن معیشت اور قیمتوں واجرتوں کے تعین کے لیے بازار کے فطری قانون طلب ورسد کو تسلیم کیا ہے اور قیمتوں اور اجرتوں کے تعین کے لیے اس قانون کو استعمال کرنے کی حمایت کی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾[11] (دنیاوی زندگی میں ان کی روزی کے ذرائع بھی ہم ہی نے ان کے درمیان تقسیم کر رکھے ہیں، اور ہم نے ہی ان میں سے ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں)[12]

ایک دوسرے سے جب کام لیا جائے گا تو کام لینے والے کی طرف سے کام کی طلب ہو گی اور کام کرنے والا کام کی رسد ہو گی اور اس طلب اور رسد کے ملنے سے متوازن اجرت اور معیشت وجود میں آئے گی۔

شریعت نے اسلامی معاشرے کے افراد کو بھی قیمتوں اور اجرتوں پر اثر انداز ہونے سے منع فرمایا ہے؛ چناں چہ حضور ﷺ کے زمانے میں جب کوئی دیہاتی اپنا زرعی سامان شہر میں فروخت کرنے کے لیے لاتا تو بعض شہری لوگ دیہاتی سے کہتے کہ تم اپنا مال خود شہر میں لے جا کر مت فروخت کرو، بلکہ یہ سامان مجھے دے دو، میں مناسب وقت پر اس کو فروخت کر دوں گا، تاکہ اس کی قیمت زیادہ ملے، حضور اقدس ﷺ نے شہریوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا؛ چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ارشاد فرمایا: "لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ"[13] (کوئی شہری دیہاتی کا مال نہ بیچے، لوگوں کو آزاد چھوڑ دو تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے رزق عطا فرمائے۔)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان تیسرے شخص کی مداخلت کو اس وجہ سے مسترد فرمایا تاکہ بازار میں طلب اور رسد کا صحیح توازن قائم ہو؛ کیوں کہ جب دیہاتی براہ راست بازار

۱۱۔ القرآن ۴۳: ۳۲۔

۱۲۔ عثمانی، **آسان ترجمہ قرآن**، ۱۰۲۷۔

۱۳۔ مسلم بن حجاج القشیری، **صحيح مسلم**، باب تحريم بيع الحاضر للبادي (بيروت: دار إحياء التراث العربي، س ن)، ۳: ۱۱۵۷، رقم ۱۵۲۲۔

میں کوئی چیز بیچے گا تو اپنا مناسب نفع رکھ کر فروخت کرے گا۔ اسے چوں کہ جلدی واپس جانا ہو گا اس لیے اس کے پاس ذخیرہ اندوزی کی گنجائش نہیں ہو گی اور اس کے خود بازار میں پہنچنے کی صورت میں طلب ورسد کا ایسا امتزاج ہو گا، جو صحیح اور مناسب قیمت متعین کرنے میں مدد دے گا، لیکن اگر تیسرا آدمی ان دونوں کے درمیان میں واسطہ اور ایجنٹ بنے گا تو مال کی ذخیرہ اندوزی کر کے اس کی مصنوعی قلت پیدا کرے گا اور اس سے طلب ورسد کے قدرتی نظام میں بگاڑ پیدا ہو گا اور اشیا کی قیمتوں کا صحیح تعین نہیں ہو سکے گا۔

اسی طرح شریعت نے حکومت اسلامیہ کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ لوگوں کے مالی معاملات میں مداخلت اور ان کی اشیا کی قیمتوں اور اجرتوں کا تعین کر کے انھیں اس کا پابند بنائے؛ چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "غَلَا السِّعْرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، سَعِّرْ لَنَا، فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ، القَابِضُ، البَاسِطُ، الرَّزَّاقُ، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ"[۱۴] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ میں اشیا کی قیمتیں بڑھ گئیں تو لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قیمتیں بڑھ گئی ہیں، لہٰذا ہمارے لیے اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہی قیمتیں مقرر کرنے والا، رزق میں تنگی اور کشادگی کرنے والا اور رزق دینے والا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حالت میں ملوں کہ کسی کا مجھ سے جان یا مال کے بارے میں ظلم کا کوئی مطالبہ نہ ہو۔)

اس حدیث سے تین اعتبار سے حکومت کی طرف سے اشیا کی قیمتوں کے تعین کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ آپ نے لوگوں کے مطالبے کے باجود تسعیر نہیں کی، اور وجہ یہ بیان کی اللہ تعالیٰ قیمتیں مقرر کرنے والا ہے، جس کا واضح مطلب اس حدیث کے سیاق میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلب اور رسد کے فطری اصول مقرر کر دیے ہیں، اور اس فطری نظام کو چھوڑ کر مصنوعی طور پر قیمتوں کا تعین پسندیدہ نہیں۔[۱۵] اگر تسعیر جائز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مطالبے کو تسلیم کرتے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اسے ظلم قرار دیا اور ظلم حرام ہے، معلوم

۱۴۔ محمد بن عیسیٰ الترمذی، **سنن الترمذي**، باب ماجاء في التسعير (مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي ۱۹۷۵ء)، ۳: ۵۹۷، رقم ۱۳۱۴۔

۱۵۔ محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت** (کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۹۵ء)، ۳۸۔ ۳۹۔

ہوا کہ تسعیر بھی ناجائز ہے، اور تیسرے یہ کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کی رضامندی سے اپنا مال بیچ رہا ہے تو اسے اس سے روکنا اس کے مالی معاملے میں بلاوجہ مداخلت ہے جو کہ جائز نہیں۔(١٦)

۳- حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بازار میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے پاس سے گذرے۔ ان کے سامنے کشمش کی دو ٹوکریاں رکھی تھیں اور اسے فروخت کر رہے تھے۔ انھوں نے ان سے کشمش کا بھاؤ پوچھا تو انھوں نے کہا: ایک درہم میں دو مد دیتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے ایک قافلے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ طائف سے کشمش لا رہا ہے اور وہ تیری مقرر کی ہوئی قیمت کے مطابق فروخت کرے گا؛ یا تو قیمت میں اضافہ کرو یا اپنی کشمش اپنے گھر لے جاؤ اور وہاں جیسے چاہو بیچو۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے تو اپنا محاسبہ کیا اور حضرت حاطب کے گھر تشریف لائے اور ان سے کہا میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا، وہ میری طرف سے کوئی حکم نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اٹل فیصلہ تھا، بلکہ اس سے میرا مقصد شہر والوں کی بھلائی تھی، لہٰذا تم اپنا سامان جہاں چاہو بیچو اور جس طرح چاہو بیچو۔(١٧)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تسعیر صحیح نہیں کیوں کہ بعد میں انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے رجوع کیا اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو اس کی مخالفت کی اجازت دی۔

دوسرے نقطۂ نظر کے دلائل

جو حضرات اشیاے ضرورت کی قیمتوں اور اجرتوں کی تعین کے لیے حکومت کی مداخلت کو جائز قرار دیتے ہیں، انھوں نے بھی حسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

۱- ان کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ جب چیزوں کو فروخت کرنے والے قیمت میں حد سے تجاوز کرنے لگیں اور من مانی قیمتیں وصول کرنے لگیں تو چوں کہ اس صورت میں لوگوں کا نقصان ہے اور ایسی صورت حال میں اگر حکومت مداخلت نہیں کرتی تو لوگوں کو نقصان اور ضرر ہے جب کہ حکومت کی ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کو ضرر سے بچائے اور ان کی مصلحت کے تحفظ کی خاطر مداخلت کرے، کیوں کہ ایک تو شریعت کا یہ اصول ہے کہ نہ خود کو تکلیف اور ضرر میں ڈالا جائے اور نہ ہی دوسروں ضرر پہنچایا جائے، چناں چہ یحیٰ مازنی سے

١٦- موفق الدین عبداللہ بن احمد المقدسی، **المغني**، فصل فد التسعیر (مصر: مکتبة القاهرة، ١٩٦٨ء)، ۴: ١٦۴۔

١٧- البیهقی، **السنن الکبری**، باب التسعیر، ٦: ۴٨، رقم: ١١١۴٦۔

روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ''[۱۸] (نہ کسی کو ویسے تکلیف پہنچانا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مقابلے میں تکلیف پہنچانا جائز ہے۔)

اس طرح کی نصوص کی وجہ سے اہل علم اور فقہاے اسلام نے متعدد اصول ذکر کیے ہیں؛ ایک یہ کہ اگر لوگوں کو ضرر لاحق ہو رہا ہو تو اسے حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، چناں چہ فقہا کا مشہور قاعدہ اور اصول ہے: ''الضَّرَرُ یُزَال'' [۱۹](ضرر کو دور کیا جائے گا)

دوسرے یہ اصول ہے کہ اگر کسی موقع پر ایک طرف لوگوں کا اجتماعی اور عمومی ضرر ہو اور دوسری طرف کسی شخص کا انفرادی اور ذاتی ضرر ہو تو ایسے موقع پر لوگوں کو اجتماعی اور عمومی ضرر سے بچانے کے لیے کسی شخص کے ذاتی اور خاص ضرر کو برداشت کیا جاتا ہے۔''یُتَحَمَّل الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِدَفْعِ الضَّرَرِ الْعَامِّ''[۲۰] (خاص ضرر کو عام ضرر کے دور کرنے کے لیے برداشت کر لیا جائے گا۔)

لہٰذا ایسی صورت میں شریعت کے مذکورہ اصول اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ حکومت مداخلت کر کے لوگوں کو ضرر سے بچائے اور ان کی مصلحت اور مفاد کو تحفظ فراہم کرے۔

۲۔ ان حضرات کی ایک دلیل یہ ہے کہ شریعت نے غیر فطری طریقے سے اشیا کی قیمتوں میں اضافے اور ان پر اثر انداز ہونے سے منع فرمایا ہے اور اس پر سخت وعید بیان فرمائی، اس سلسلے کی ایک حدیث بیان ہو چکی ہے، اسی طرح کی ایک حدیث حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"مَنْ دَخَلَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَسْعَارِ الْمُسْلِمِينَ لِيُغْلِيَهُ عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُقْعِدَهُ بِعُظْمٍ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"(جو شخص مسلمانوں کی اشیا کی قیمتوں کے اضافے کے لیے واسطہ بنتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے کہ وہ اسے قیامت کے دن بڑی آگ پر بٹھائیں گے)۔[۲۱]

۱۸۔ مالک بن انس الأصبحی، **الموطأ**: القضاء في المرفق(ابو ظبی: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية،۲۰۰۴ء)، ۴: ۱۰۷۸،رقم۲۷۵۸۔

۱۹۔ محمد خالد الاتاسی، **شرح المجلة العدلية** (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، س ن)، ۱: ۵۳۔

۲۰۔ نفس مرجع،۱: ٦٦۔

۲۱۔ احمد، **مسند احمد**،حدیث معقل بن یسار، ۳۳: ۴۲۶، رقم:۲۰۳۱۳۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص دو آدمیوں میں پڑ کر غیر فطری طریقے سے بھاؤ کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ شرعاً جائز نہیں اور شریعت نے اس سے سختی سے فرمایا ہے۔ موجودہ دور میں چوں کہ لوگوں کے اندر دیانت داری کی کمی ہے، اگر انھیں اس معاملے میں بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے تو وہ خود غرضی اور لالچ کی بنا پر اکتناز، احتکار اور ذخیرہ اندوزی اور اس کے علاوہ بہت سے ایسے غیر فطری طریقے اختیار کرتے ہیں جس کی وجہ سے مصنوعی طور پر چیزوں کی قیمتوں کو مختصر وقت میں زمین سے آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے اور طلب و رسد کے فطری قوانین اور معیشت کے فطری توازن کو بری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا جاتا ہے، اور سرمایہ داروں کی طرف سے غریب عوام کا استحصال اور ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر حکومت کی طرف سے مداخلت کر کے قیمتوں کو کنٹرول نہ کیا جائے تو لوگوں کے لیے بڑی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ کنٹرول تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ لوگوں کو سرکاری طور پر ایک قیمت کا پابند کیا جائے۔

اس طرح مذکورہ حدیث بھی قیمتوں کے کنٹرول کے لیے حکومت کی مداخلت کو جائز قرار دیتی ہے اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ حکومت کو ان عناصر پر کڑی نظر رکھنی چاہیے، جو غیر فطری طریقے سے اشیا کی قیمتوں کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اور معیشت کے توازن کے بگاڑ اور اسلامی معاشرے کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔

پہلے نقطۂ نظر کے دلائل کا جواب

ان حضرات کی طرف سے تسعیر کو ناجائز قرار دینے والے حضرات کے دلائل کے مندرجہ ذیل جوابات دیے گئے ہیں:

جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے جس میں دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس کے مال کو باطل طریقے سے کھانے اور جبراً خرید و فروخت کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے دوسرے کے مال میں اس طرح کی مداخلت سے ممانعت تب ہے، جب کہ شریعت کے دیگر ان اصول اور قواعد کی خلاف ورزی نہ کی جا رہی ہو جن کا ذکر تسعیر کو جائز قرار دینے والوں کی پہلی دلیل میں کیا گیا ہے۔ اگر وہ قواعد مداخلت کا تقاضا کرتے ہوں تو مداخلت کرنا اور تسعیر کرنا ان نصوص کے خلاف نہیں ہو گا؛ چناں چہ شریعت کی طرف سے مذکورہ قواعد کے پیش نظر حکومت کے لیے مختلف مواقع پر مصلحتِ عامہ کی خاطر مالک کی مرضی کے بغیر بھی اس کی مملوکہ چیز کی خرید و فروخت کی اجازت دی گئی ہے، جن میں سے چند مواقع یہ ہیں:

۱۔ احتکار یعنی گراں فروشی کی غرض سے اشیاے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی حدیث کی رو سے ناجائز اور منع ہے۔ اب اگر کسی شخص نے ایسی اشیاے کی ذخیرہ اندوزی کر رکھی ہو جن کی بستی میں قلت ہے اور لوگوں کو ان کی ضرورت ہے تو فقہاے اسلام نے اس صورت میں حکومت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ایسے ذخیرہ اندوزوں کو ان اشیاے ضرورت کے فروخت پر مجبور کر سکتی ہے۔[۲۲]

۲۔ جب لوگوں پر بھوک کی حالت مسلط ہو اور بعض لوگوں کے پاس کھانا موجود ہو تو ان پر اس کھانے کو فروخت کرنا لازم ہو جاتا ہے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو مجبور کر کے ان سے زبردستی کھانا خریدا جاسکتا ہے۔[۲۳]

۳۔ خلفاے راشدین کے دور میں مسجد حرام کی چار دیواری نہیں تھی، بلکہ اسے چاروں طرف سے گھروں نے گیرا ہوا تھا اور گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے جن سے لوگ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ جب مسجد تنگ ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھروں کو خرید کر انھیں منہدم کر دیا۔ بعض لوگوں نے قیمت لینے اور گھر بیچنے سے انکار کر دیا، چناں چہ ان کے گھروں کی قیمتیں کعبے کی الماری میں رکھ دی گئیں، یہاں تک کہ بعد میں انھوں نے لے لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا: تم لوگ کعبے کے پاس آکر ٹھہرے ہو جب کہ یہ جگہ کعبے کا صحن تھی، کعبہ تم پر آکر نہیں اترا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو انھوں نے مسجد حرام میں توسیع کی اور کچھ لوگوں سے جگہ خرید لی، بعض لوگوں نے جگہ بیچنے سے انکار کر دیا، بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر منہدم کر دیے، اس پر لوگوں نے احتجاج کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں بلوایا اور فرمایا میرے حلم نے تم لوگوں کو جری کر دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمھارے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا، اس پر کسی نے احتجاج نہیں کیا، میں نے انھی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی تو تم احتجاج کرتے ہو۔ اس کے بعد ان لوگوں کو قید کرنے کا حکم دیا لیکن عبد اللہ بن خالد بن اسید کی گفتگو کے نتیجے میں انھیں چھوڑ دیا۔[۲۴] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

۲۲۔ عبداللہ بن محمود الموصلی، **الاختیار لتعلیل المختار**، کتاب الکراهیة (قاہرہ: مطبعة الحلبي ۱۹۳۷ء)، ۴: ۱۶۱۔

۲۳۔ محمد بن عبداللہ الاندلسی، **عارضة الأحوذی** (مصر: مصطفى البابي الحلبي)، ۷: ۸۷۔

۲۴۔ ابو البقاء، محمد بن احمد المکی، **تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۲۰۰۴ء)، ۱: ۱۵۱۔

زمانے میں مسجد حرام کی توسیع سن ۱۷ ہجری کو ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں توسیع سن ۲۶ ہجری کو ہوئی۔[۲۵]

واضح رہے کہ ماقبل میں مسجد نبوی کی توسیع کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، جس کا فیصلہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام کی توسیع کے لیے لوگوں سے جبراً زمین خریدی اور مسجد حرام کی توسیع کی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات ثابت شدہ تھی کہ شدید اور ناگزیر ضرورت کی بناپر جبری بیع کی اجازت ہے اور مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں شدید ضرورت تھی، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسے ایسی شدید ضرورت نہیں سمجھتے تھے جس کی وجہ سے جبراً بیع درست ہو، جب کہ مسجد حرام کے معاملے میں شدید ضرورت واضح تھی۔ کیوں کہ کعبہ پہلے سے موجود تھا، اور اس کے آس پاس کی جگہ اسی کی ضروریات کے لیے ہونی چاہیے تھی، جب آبادی کی وجہ سے کعبہ کے مقصد میں خلل پیدا ہونے لگا تو اب اسے وہاں سے منتقل تو نہیں کیا جاسکتا تھا، لہٰذا ناگزیر ضرورت کی بناپر مکانات کی جبری بیع کی گئی اور عملی طور پر کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

۴۔ مسجد حرام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فقہا نے فرمایا ہے کہ اگر مسجد تنگ ہو جائے، جس کی وجہ سے نمازیوں کو مشکل درپیش ہو اور مسجد کے پڑوس میں کسی کی زمین، دوکان یا گھر ہو اور مالک اپنی زمین، دوکان یا گھر مسجد کی توسیع کے لیے دینے پر راضی نہ ہو تو اس سے جبراً خرید کر یہ چیزیں مسجد میں شامل کی جاسکتی ہیں۔[۲۶]

۵۔ خلافت عثمانیہ کے دور میں مدون کردہ قانون **مجلة الأحكام العدلية** میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت سلطان کے حکم سے ہر شخص کی ملکیت خواہ وہ کوئی بھی ہو، قیمت ادا کر کے لی جاسکتی ہے اور اسے راستے میں شامل کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے قبضے سے اس وقت تک نہیں لی جائے گی جب تک کہ اسے قیمت نہ ادا کی گئی ہو۔[۲۷]

۲۵۔ تقی الدین الفاسی، **شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام** (بیروت: دار الكتب العلمية)، ۱: ۲۲۴۔

۲۶۔ محمد امین ابن عابدین الشامی، **رد المحتار على الدرالمختار**، کتاب الوقف (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲ء)، ۴: ۳۷۹۔

۲۷۔ لجنة العلماء، مجلة الأحكام العدلية: مادہ: ۱۲۱۶ (کراچی: نور محمد، کارخانہ تجارتِ کتب، س ن)۔

واضح رہے کہ جو حکم راستہ بنانے یا اس کی توسیع کا ہے، وہی حکم لوگوں کے قبرستان اور دیگر اجتماعی ضروریات کی چیزوں کا ہے؛ چناں چہ اجتماعی ضروت مثلاً سڑک، موٹروے وغیرہ بنانے یا ان کی توسیع کرنے، نہر بنانے، ڈیم بنانے، بارشوں کا یا گندے پانی کے گذرنے کے لیے بڑا نالہ بنانے کی ضرورت ہے یا ان جیسی دیگر ضروریات ہیں، تو ان کی خاطر مالک سے زبردستی اس کی زمین خریدی جاسکتی ہے۔[۲۸]

جیسے مصلحت عامہ کی خاطر مذکورہ صورت میں حکومت کی مداخلت اور جبری خرید وفروخت کی اجازت دی گئی ہے، اسی طرح لوگوں کے عمومی مفاد کے پیش نظر مالک کی مرضی کے بغیر اسے ایک متعین قیمت پر اپنی چیز کو بیچنے پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طلب اور رسد کی وجہ سے قیمتوں کا تعین متوازن تب رہتا ہے جب کہ انھیں فطری طور پر کام کرنے دیا جائے اور بازاری قوتوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ ان پر اثر انداز ہونے والی اجارہ داریاں اور تاجروں کا گٹھ جوڑ نہ ہو، اور نہ ہی غیر فطری اور مصنوعی طریقے سے قیمتوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی جائے، جب کہ موجودہ دور میں بازاروں کی صورت حال یہ ہے کہ ایسے غیر شرعی اور غیر فطری طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن کے نتیجے میں طلب ورسد کے فطری قوانین اور معیشت کے فطری توازن کو بری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ طلب ورسد کی قوتیں معیشت اور قیمتوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے اس وقت کار آمد ہوتی ہیں، جب بازار میں آزاد مقابلے (Free competition) کی فضا ہو لیکن جب کسی ایک شخص یا ایک گروہ کی اجارہ داری قائم ہوجائے تو قیمتوں کا نظام متوازن نہیں رہتا، بلکہ ایسی صورت میں بکثرت اجارہ داریاں قائم ہوجاتی ہیں اور ان کی موجودگی میں طلب ورسد کی قوتیں کما حقہ کام نہیں کرپاتیں؛ چناں چہ اگر حکومت کی طرف سے مداخلت کر کے ان اجارہ داریوں پر کنٹرول نہ کیا جائے تو لوگوں کے لیے بڑی مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں اور یہ کنٹرول تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ لوگوں کو سرکاری طور پر ایک بھاؤ کا پابند کیا جائے۔

اس ضمن میں جو حدیث پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تسعیر کا مطالبہ کیا گیا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے تسعیر نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انکار اس وجہ سے نہیں کیا کہ تسعیر جائز نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تسعیر کی ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ تاجروں کی طرف سے ظلم اور ان کی ملی بھگت سے بھاؤ میں اضافہ نہیں ہوا تھا بلکہ طلب اور رسد کے اصول کے تحت جب سامان کم ہوا تو قیمت میں اضافہ ہوا۔

۲۸- علی حیدر خواجہ امین آفندی، **درر الحکام فی شرح مجلة الأحکام** (بیروت: دار الجیل، ۱۹۹۱ء) ۳: ۲۳۳۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے استدلال اس وجہ سے صحیح نہیں کہ اس میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بازار کے بھاؤ سے کم پر فروخت کر رہے تھے اور جب کوئی اپنا سامان بازاری نرخ سے کم پر بیچ رہا ہو تو اس صورت میں تسعیر نہیں ہوتی۔ تسعیر تو اس وقت ہوتی ہے جب کوئی بازاری بھاؤ سے زیادہ پر فروخت کر رہا ہو۔ یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ کم بھاؤ پر بیچنے سے دوسرے تاجروں کا نقصان ہے، لہٰذا اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بازار والوں کا کوئی نقصان نہیں کیوں کہ یہ شخص لوگوں کے ساتھ بھلائی کر رہا ہے جس سے اسے نہیں روکا جا سکتا، اگر دوسرے حضرات بھاؤ کم کر سکتے ہوں تو کریں، نہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

تیسرا نقطۂ نظر اور اس کی تفصیلات

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں آرا کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے ایک تیسری رائے اختیار کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر تسعیر سے لوگوں پر زیادتی ہوتی ہو اور بلا وجہ ان کو کسی ایسی قیمت پر مجبور کیا جائے جس پر وہ راضی نہیں یا انھیں جائز منافع سے روکا جائے تو ایسی تسعیر شرعاً جائز نہیں اور جن نصوص میں تسعیر سے منع کیا گیا ہے ان سے مراد تسعیر کی یہی صورت ہے، کیوں کہ وہاں لوگ معروف طریقے سے چیزوں کو بیچ رہے تھے، لیکن چیزوں کی قدرتی قلت کی وجہ سے بھاؤ بڑھ گیا تھا یا لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بھاؤ بڑھا، تو یہ اضافہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہونے والے اسباب کی بنا پر ہوا۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں مداخلت سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی چیزوں کی قیمت متعین کرنے والے ہیں، اور اگر بازار میں تاجروں کے گٹھ جوڑ سے غیر فطری انداز سے قیمتوں میں اضافہ کیا جائے اور اس کی وجہ سے لوگ تنگی اور مشکل میں گرفتار ہوں اور تسعیر کا مقصد لوگوں کو انصاف دلانا اور ظلم سے بچانا ہو، تو ایسی تسعیر نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، اور یہ صورت حال تب پیدا ہوتی ہے جب چار شرائط پائی جائیں:

۱۔ لوگوں کو سامان کی ضرورت ہو اور اس کے نہ ملنے کی وجہ سے انھیں تکلیف ہو۔

۲۔ کچھ لوگوں نے وہ سامان ذخیرہ کیا ہوا ہو۔

۳۔ سامان پر لوگوں کے ایک مخصوص گروہ کا قبضہ اور اجارہ داری ہو اور ان کے علاوہ کسی کے پاس سے وہ سامان نہ ملتا ہو۔

۴۔ اس گروہ نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیاہو اور وہ اپنی من مانی قیمت سے کم پر فروخت کرنے پر راضی نہ ہوں۔

اگر یہ شرائط پائی جائیں تو اس سے چوں کہ عوام تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان پر ایک مخصوص طبقے کی طرف سے ظلم اور استحصال ہو رہاہو تا ہے اور لوگوں کی مصلحت کا خیال رکھنا او رانھیں زیادتی سے بچانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہ تب ہی ہو سکتاہے، جب کہ بیچنے والوں کو کسی ایک بھاؤ کا پابند بنایاجائے۔ [۲۹]

تسعیر کے جواز کی شرائط اور ان کی تفصیل

مذکورہ تفصیل کے پیش نظر تسعیر کے جائز ہونے کی چار شرائط معلوم ہوئیں۔ ان کے علاوہ جو شرائط ہیں، ان کی قدرے تفصیل یہاں ذکر کی جاتی ہے؛

۱۔ اگر تاجر اشیا کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیں حتی کہ دوگنی قیمتیں وصول کرنے لگیں تو حکومت تسعیر کر کے لوگوں کو ظلم سے بچائے۔ [۳۰]

۲۔ لوگوں کو اشیاے ضروریہ کی شدید حاجت ہو قیمتیں زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہو تو حکومت اپنی ذمے داری کا پاس کرتے ہوئے قیمتیں مقرر کرے گی۔ [۳۱]

۳۔ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہو تو حکومت کی ذمے داری ہے کہ نرخ مقرر کرے اور لوگوں کو اشیاے ضروریہ بازار میں لانے کا حکم دے۔ [۳۲]

۴۔ سامان ضرورت پر ایک مخصوص گروہ کی اجارہ داری ہو تو تسعیر ضروری ہو گی۔ [۳۳]

۲۹۔ ابن القیم، **الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية**، ۲۰۶۔

۳۰۔ عثمان بن علی الزیلعی، **تبيين الحقائق**، كتاب الكراهية، فصل فى البيع(قاہرہ: المطبعة الكبرى الأميرية بولاق، ۱۳۱۳ھ)، ۶: ۲۸۔

۳۱۔ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، **الهداية**، كتاب الكراهية، فصل فى البيع (بيروت: المكتبة الإسلامية)، ۴: ۳۷۸۔

۳۲۔ الموصلی، **الاختيار لتعليل المختار**، كتاب الكراهية، فصل فى الاحتكار، ۴: ۱۶۱۔

۳۳۔ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی، **الحسبة في الإسلام** (بيروت: دار الوفاء، ۲۰۰۵ء)، ۲۲۔

۵۔ تاجروں اور سامان فروخت کرنے والوں کا آپس میں گٹھ جوڑ ہو جائے کہ اتنے بھاؤ پر ہی سامان کو بیچا جائے گا، اس سے کم پر نہیں یا خریدار آپس میں گٹھ جوڑ کر لیں کہ اتنے بھاؤ پر ہی سامان خریدیں گے اس سے زیادہ پر نہیں اور انھوں نے جس بھاؤ پر اتفاق کیا ہے اس میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے تو اس صورت میں دوسرے طبقے کو زیادتی سے بچانے کے لیے تسعیر ضروری ہوگی کیوں کہ اگر تسعیر نہ کی جائے تو دوسرے طبقے پر زیادتی ہوگی اور اس کا استحصال شروع ہو جائے گا۔

موجودہ دور میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ہر طبقے کی یونین بنی ہوئی ہے اور جب بھی کسی طبقے کے مفاد پر تھوڑی بھی ضرب پڑتی ہے تو ان کا پورا اتحاد حرکت میں آجاتا ہے اور وہ اپنے مفاد کی خاطر جمع ہو جاتے ہیں۔ اس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ دوسرے پر کوئی زیادتی ہو رہی ہے کہ نہیں۔ اس طرح سب لوگ ظلم اور زیادتی کے معاون اور مددگار بن جاتے ہیں۔ اس لیے اس دور میں تسعیر کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے کہ حکومت انصاف کے ساتھ ایک بھاؤ مقرر کر کے ہر طبقے کو اس کا پابند بنادے تاکہ ہر ایک کا مفاد بھی محفوظ رہے اور کسی پر ظلم اور زیادتی بھی نہ ہو۔[۳۴]

۶۔ لوگوں کو کسی خاص طبقے کی صنعت کی ضرورت ہو جیسے کسان، کپڑے بنانے والے، مکان بنانے والے، اور وہ بہت زیادہ اجرت کا مطالبہ کرتے ہوں جو لوگوں کی پہنچ سے دور ہو تو ایسی صورت میں بھی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ انھیں اجرت مثل پر کام کرنے کا پابند بنائے تاکہ ان کا فائدہ بھی ہو اور لوگوں کو نقصان بھی نہ ہو۔[۳۵]

تسعیر کا طریق کار

تسعیر میں انصاف کو مدنظر رکھنا ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے خریداروں کے مفاد کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان پر زیادتی نہ ہو اسی طرح فروخت کنندگان کے مفاد کو مدنظر رکھنا بھی ناگزیر ہے تاکہ ان کا جائز نفع حاصل کرنے کا حق بھی نہ مارا جائے۔ اس لیے حکومت کے لیے لازم ہے کہ بازار کے نمائندوں اور تمام اہل رائے لوگوں سے مشاورت کے بعد تسعیر کا فیصلہ کرے، تاکہ انصاف کے تمام تقاضوں پر عمل ہو جائے۔[۳۶]

۳۴۔ نفس مصدر، ۲۴۔

۳۵۔ ابن القیم الجوزیہ، **الطرق الحکمیة**،۲۰۸۔

۳۶۔ الموصلی، **الاختیار**، فصل فی الاحتکار، ۴: ۱۶۱۔

نتائج بحث

مذکورہ بالا تینوں نقطہ ہائے نظر اور ان کے دلائل میں غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عام حالات میں جب طلب و رسد کی قوتیں آزادی سے کام کر رہی ہوں اور اشیا کی قیمتوں اور اجرتوں پر اثر انداز ہونے والی کوئی غیر فطری قوت موجود نہ ہو اور تاجروں کو مناسب نفع بھی مل رہا ہو اور خریداروں پر بھی بوجھ نہ ہو تو ایسے حالات میں قیمتوں اور اجرتوں کے تعین کو طلب و رسد کے فطری قانون کے سپرد کر دینا چاہیے۔ ایسے حالات میں چوں کہ حکومت کی طرف سے مداخلت کی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ ایسے میں کسی فریق کے مفاد پر کوئی زد نہیں پڑتی اور نہ ہی کسی کو کسی قسم کے ضرر اور نقصان کا سامنا ہوتا ہے، لہٰذا ان حالات میں حکومت کو لوگوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ اسی طرح کے حالات تھے جب رسول اللہ ﷺ سے اشیا کی قیمتیں متعین کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے اس کو نہیں مانا اور فرمایا کہ اللہ ہی قیمتیں مقرر کرنے والا ہے کیوں کہ ایسی صورت میں مداخلت کر کے لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف کسی ایک قیمت کا پابند بنانا اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں ان کے خلاف تادیبی اور قانونی کارروائی کرنا، انھیں سزا دینا، یا ان پر کوئی جرمانہ عائد کرنا، جیسا کہ ہمارے عرف میں رائج ہے، واضح طور پر ظلم ہے جس کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ سے اس حالت میں ملنا چاہتا ہوں کہ میرے خلاف کسی شخص کا جان یا مال کے سلسلے میں ظلم کا کوئی مطالبہ نہ ہو۔ یہ وہ زمانہ تھا جسے خیر القرون قرار دیا گیا ہے جہاں لوگ ایک طرف امانت اور دیانت داری کے اعلیٰ مرتبہ اور معیار پر فائز تھے، دوسری طرف ان کے اندر مفاد پرستی اور خود غرضی کے بجائے ہم دردی، خیر خواہی، ایثار اور قربانی جیسے فاضلانہ اخلاق پائے جاتے تھے۔

لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ لوگوں پر مفاد پرستی اور خود غرضی کا غلبہ ہو جائے اور معاشرے کی اکثریت ہر قیمت پر اپنے مفاد اور غرض کو حاصل کرنے اور دنیا کو سمیٹنے کی فکر میں لگی ہو، نہ دوسروں کے نقصان اور تنگی کا خیال رکھا جائے، نہ معاشرے کے اجتماعی مفاد کو دیکھا جائے اور نہ ہی اس بات کو اہمیت دی جائے کہ ہمارے طرز عمل سے معیشت میں کس طرح ناہمواری پیدا ہو رہی ہے، اور غیر شرعی طریقوں سے مصنوعی حالات پیدا کر کے اپنی مرضی کے مطابق قیمتوں میں اضافہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جائے، طلب و رسد کے فطری قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے اپنی مرضی کے مطابق نتائج حاصل کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا جائے، ظاہر ہے کہ ایسی صورتِ حال میں ایک تو عام لوگ ضرر اور تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں، دوسرے معیشت اور تقسیم دولت ناہمواری کا شکار ہوتی ہے جس سے مصلحتِ عامہ اور اجتماعی مفاد پر بہت ہی برے اثرات مرتب ہوتے

ہیں۔ چند مفاد پرست اور خود غرض لوگوں یا گروہوں کی اجارہ داری قائم ہو جاتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ اتنے طاقت ور ہو جاتے ہیں کہ پورے نظام معیشت کو اپنے کنٹرول میں لے کر رعایا اور عوام کا خون چوسنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر انھیں کہیں اپنے مفاد پر زد پڑتی نظر آئے تو آپس میں گٹھ جوڑ کر کے پوری معیشت اور بازار کی قوتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسے حالات میں ان حضرات کا نقطۂ نظر زیادہ بہتر لگتا ہے جو حکومتی مداخلت کے ذریعے اشیا کی قیمتوں اور اجرتوں کے تعین کو جائز قرار دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل ایک تو انتظام اور انضباط کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے کیوں کہ شہروں، آبادیوں اور بازاروں میں پھیلاؤ بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ دوسری طرف امانت اور دیانت میں کمی کی وجہ سے خود غرضی کا مرض بہت بڑھ چکا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں میں صرف دنیا ہی کی اہمیت رہ گئی ہے، آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی اور نہ اس بات کا احساس ہوتا ہے ہمارا یہ طرز عمل ہماری آخرت کو تباہ کر دے گا۔

چناں چہ موجودہ دور میں جیسے غلہ جات کا حکومت کی طرف سے ریٹ مقرر ہوتا ہے، اسی طرح دیگر تمام یوٹیلیٹی سامان کے ریٹ متعین ہوتے ہیں، فروٹ اور سبزیوں کی ریٹ بھی متعین کیے جاتے ہیں، گاڑیوں کے کرایے مقرر ہوتے ہیں اور کرایہ نامہ میں درج کرایے سے زائد کرایہ وصول کرنا جرم شمار ہوتا ہے۔ بعض جگہ مزدوروں کی اجرتیں مقرر ہوتی ہیں، اس سے کم اجرت پر انھیں مجبور کرنا یا ان کی طرف سے زائد اجرت کا مطالبہ کرنا ممنوع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے شعبوں میں تسعیر ہوتی ہے۔ یہ تسعیر اگر شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہو تو رعایا اور عوام پر اس کی پابندی شرعاً ضروری ہو گی۔

اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بعض اوقات اشیا کی قیمتوں کے تعین میں مال دار افراد اور وہ عناصر اور جماعتیں جن کی بازاروں پر اجارہ داریاں قائم ہوتی ہیں، قیمتوں اور اجرتوں کے تعین میں بھی حکومت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں بھی عوام کے بجائے اپنے مفاد کے حصول کے لیے جائز وناجائز حربے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے؛ چناں چہ رشوت، اپنے اثر رسوخ اور دھونس کے ذریعے حکومتی کارندوں کو اپنا ہم نوا بنا کر اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کام یاب ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف اگر ان کی طرف سے حکومت کے مقرر کردہ ریٹس اور قیمتوں پر فروخت کرنے کی خلاف ورزی کی جائے اور ایسے لوگوں کے خلاف قانونی اور تادیبی کاروائی کی جائے تو یہاں بھی رشوت اور اثر ورسوخ کے ذریعے انھیں چھڑا لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ایک تو عوام اور رعایا کی مصلحت اور ان کا مفاد پس منظر میں چلا جاتا ہے اور جس مقصد کے لیے تسعیر کی جاتی ہے وہ مقصد حاصل نہیں ہو پاتا، دوسرے رشوت اور مفاد پرستی کو فروغ ملتا ہے اور تیسرے اس طرح کے گروہ اور

عناصر کو اور زیادہ طاقت ور ہونے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنی من مانیاں شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ عوام کے مفاد اور ان کی مصلحت کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے، ایسے عناصر پر کڑی نظر رکھی جائے جو ناجائز طریقے اختیار کرتے ہیں اور اس کے لیے رشوت اور اثر رسوخ کو استعمال کرتے ہیں۔ حکومت کے کارندوں کا بھی احتساب کیا جائے اور جو کارندہ اس میں ملوث پایا جائے اسے قرار واقعی سزا دی جائے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ حکومتی افسروں اور کارندوں کی تربیت کی جائے اور ان میں امانت، دیانت اور عوام کی خیر خواہی جیسے اخلاق کی آبیاری کی کوشش کی جائے تاکہ وہ اپنے اور چند عناصر کے مفاد کو مد نظر رکھنے کے بجائے ہر قیمت پر عوام اور معاشرے کے اجتماعی مفاد کو ترجیح دیں، اس طرح حکومت کی طرف سے قیمتوں اور اجرتوں کے تقرر اور تعین کا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔